وہ اپنے دلوں سے تو تھی نیک ذات ہوئی اس پہ کیا جانے کیا واردات
ہوا قید یا آنے پایا نہ وہ گئے اتنے دن آج تک آیا نہ وہ
تجھے رات دن اس کا رہتا ہے ڈر پری نے سنی ہو نہ یاں کی خبر
نہ باندھا ہو اس کو کسی بند میں کیا ہو نہ اس کے تئیں قید میں
پری نے کہیں طیش کھا لاف میں دیا ہو نہ پھینک اس کو کہ قاف[1] میں
پرستاں سے کبھی نکالا نہ ہو کسی دیو کے منہ میں ڈالا نہ ہو
نہ ملنے کے دکھ اس کے سب ہیں سہے بھلا اپنے جی سے وہ جیتا رہے
یہ کہہ حال دل اپنا رونے لگی گہر آنسوؤں کے پرونے لگی
کبھی منہ لپیٹی[2] ما در آخر کو لیٹ چھپر کھٹ کے کونے پہ سر منہ لپیٹ

خواب میں دیکھنا بدر منیر کا بے نظیر کو کنوئیں میں اور جوگن بن کر نکلنا نجم النساء کا اس کی تلاش میں

پلا سا قیا جام جم سے وہ گل کہ غائب کا احوال ظاہر ہو کل
کسی کے تو آ کام فرخندہ فال کہ آخر یہ دنیا ہے خواب و خیال
ذرا آنکھ جھپکی جو اس حال میں تو دیکھا پھنسا اس کو جنجال میں
قضا نے دکھایا عجب اس کو خواب کہ دشمن نہ دیکھے یہ حال خراب

۱؎ کوہ قاف۔ ایک پہاڑ جہاں مشہور ہے کہ پریاں اور جنات رہتے ہیں ۱۲ ۲؎ ہاتھ پیر سمیٹ کر پڑ رہنا۔ اٹواٹی کھٹواٹی لے کے لیٹ جانا ۱۲

یہ دیکھا کہ صحرا ہے اک لق و دق[1] کہ رستم جسے دیکھ ہو جائے فق
نہ انساں ہے واں نہ حیوان ہے فقط اک کف دست[2] میدان ہے
مگر بیچ میں اس کے ہے اک کنواں کہ اٹھتا ہے آہوں کا واں سے دھواں
کنوئیں کا ہے منہ بند اس سے اڑی کئی لاکھ من کی ہے اک سل پڑی
صدا واں سے آتی ہے بدر منیر ترے چاہ غم میں ہوا ہوں اسیر
میں بھولا نہیں تجھ کو اے میری جاں کروں کیا کہ ہے مجھ پہ قید گراں
پر اس قید میں بھی ترا دھیان ہے فقط تیرے ملنے کا ارمان ہے
تو اپنی جو صورت دکھا دے مجھے تو اس قید غم سے چھڑا دے مجھے
نہیں مجھکو مرنے سے کچھ اپنے ڈر یہ غم ہے کہ تجھ کو نہ ہووے خبر
تجھے کاش اس وقت میں دیکھ لوں جیوں میں اگر تیرے آگے مروں
ولیکن یہ ہے خام میرا خیال نہیں وصل ممکن بغیر از وصال
کوئی دم کا مہماں ہوں آج کل اسی چاہ میں جائے گا دم نکل
یہ سن واردات شہ بے نظیر جو چاہے کرے بات بدر منیر
یہ ہرگز میسر نہ آئی اسے قضا نے نہ اس کی سنائی اسے
یکایک گئی آنکھ اتنے میں کھل بھرے اشک رخسار پر آگئے ڈھل
نہ وہ چاہ دیکھا نہ ہمراز وہ پڑی گوش میں پھر نہ آواز وہ
صدا اپنے یوسف کی سن خواب سے اٹھی باؤلی جان بیتاب سے
کہا گو کسی سے نہ اس نے یہ بھید ولے جوں مہ صبح چہرہ سفید

۱؎ لق و دق۔ ویران۔ میدان جہاں درخت اور آدمی نہ ہوں ۱۲ ۲؎ کف دست میدان ہموار۔ صاف ۱۲ آسی

ڈھلے منہ پہ آنسو ہوا بسکہ رنج
چھٹے چاندنی میں ستاروں کے گنج[1]

وہ مہتاب سا چہرہ ہو زرد زرد
سراپا ہوا شکل اندوہ و درد

زبس آہ پنہاں سے گھٹنے لگی
تو منہ پر ہوائی[2] سی چھٹنے لگی

مژہ وہ نکیلی جو تھیں تیز سی
ہوئیں اشک خونیں سے گلریز سی

بھچنیا[3] سا قد تھا جو رشک انار
نکلنے لگے اُس سے شعلے ہزار

جلیں اُس کی آہوں سے کل صورتیں
ہوئیں سب وہ مٹی کی جوں مورتیں

چھپایا بہت اُس نے پر ہم نشیں
چھپائے سے آتش چھپے ہے کہیں

کسی سے کسی کو جو ہوتی ہے لاگ
بغیر از کہے اور لگتی ہے آگ

خواصیں کئی وہ جو ہمراز تھیں
بڑی خدمتوں میں سرافراز تھیں

کہا اُن سے رو رو کے احوال خواب
رُلایا اُنھیں پڑھ کے غم کی کتاب

سنا جبکہ نجم النسا نے یہ حال
ہوئی بیقراری تب اس کو کمال

لگی کہنے وہ یوں نہ آنسو بہا
ترے واسطے میں نے اب دکھ سہا

بس اب سر بصحرا نکلتی ہوں میں
اُسے ڈھونڈھ لانے کو چلتی ہوں میں

جو باقی رہا کچھ مرے[4] دم میں دم
تو پھر آ کے یہ دیکھتی ہوں قدم

وگر مر گئی تو بلا سے موئی
تو یوں جانیو مجھ پہ صدقے ہوئی

[1] گنج۔ ذخیرہ، گنج چھوٹنا بہت سے پٹاخوں کا اک دم چھوٹنا ۱۲ [2] منہ پر ہوائی چھوٹنا یا اُڑنا۔ چہرے کا رنگ اُڑنا ۱۲ [3] بھچنیا۔ ایک قسم کی چنیا جس کو بوئیں چنیا بھی کہا جاتا ہے اور یہ اسی کا مخفف ہے۔ ایک قسم کی آتشبازی ۱۲۔ عبدالباری آسی [4] میرے دم میں دم ہے تو یعنی اگر میں زندہ ہوں تو ۱۲

کہا شاہزادی نے سُن اے رفیق
ہوئی میں تو اس چاہ غم میں غریق

بھلی چنگی اپنی نہ کھو جان تو
کہ ہے وہ پری اور انسان تو

رسائی تری ہوگی کیونکر وہاں
مجھے بھی نہ دے ہاتھ سے میری جاں

میں جیتی ہوں اس آسرے پر فقط
کہ ہوتا ہے تجھ سے مرا غم غلط

وگرنہ میں رُک رُک کے مر جاؤں گی
اسی طرح جی سے گذر جاؤں گی

کہا اُس نے کیا کیجیے پھر بھلا
پڑی اب تو اپنے ہی سر پہ بلا

میں اس عشق کا یہ نہ سمجھی تھی ڈول[1]
ترے غم سے آنے لگا مجھ کو ہول

تجھے دیکھنا یوں گوارا نہیں
اس اندوہ کا مجھ کو یارا نہیں

یہ کہہ اُس نے رو رو اُتارا سنگار
کیا اپنی پشواز کو تار تار

گریباں کو مثل گل چاک کر
دیا خاک پر پھینک ایدھر اُدھر

پھر آئے جو کچھ اُس کو ہوش و حواس
سجا تن پہ جوگن کا اُس نے لباس

پہن سیلی[2] اور گیروا اوڑھ کھیس
چلی بن کے صحرا کو جوگن کے بھیس

کئی سیر موتی جلا کر راکھ کر
بھبھوت[3] اپنے تن پر ملا سر بسر

پہن ایک لہنگا زری باف[4] کا
وہ پردہ سا کر اُس تن صاف کا

زری کے دوپٹے سے چھاتی کو باندھ
بدن کو چھپا اور گاتی[5] کو باندھ

[1] ڈول۔ ڈھنگ ۱۲۔ آسی [2] سیلی وہ بالوں یا سیاہ ریشم کا تاگا جو گلے میں باندھتے ہیں۔ ہندو فقیر ایسا کرتے ہیں۔ اور بعض وقت صرف زینت کے لیے کلائی پر باندھتے ہیں یا گلے میں ڈالتے ہیں ۱۲ [3] بھبھوت۔ راکھ جو جوگی سنیاسی اپنے بدن پر ملتے ہیں ۱۲ [4] زری باف ایک قسم کا کپڑا جو سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا ہوتا ہے ۱۲ [5] گاتی۔ چادر یا دوپٹے کو دونوں کاندھوں پر ڈال کر سینہ کو باندھنا ۱۲

زمرد کے مندرے[1] لگا کان میں / کہ جوں سبزہ و گل گلستان میں
گلے بیچ ڈال اپنے مالوں کے تئیں / پریشان کر اپنے بالوں کے تئیں
زری کا بنا حلقہ سر پر رکھا / کیا سنبلستان[2] کو جگمگا
لٹیں دے کے بل دوش پر چھوڑ دیں / وہ باگیں سی شبدیز[3] کی موڑ دیں
مے غم سے آنکھوں کو کر لال لال / رکھا چشم میں خون دل کو نکال
زمرد کی سمرن[4] کو ہاتھوں میں ڈال / اور اک بین کاندھے پر اپنے سنبھال
جو منکے[5] تھے من کے لیے کر درست / یہن اپنے موقع سے چالاک و چست
چلی بن کے جوگن وہ باہر کے تئیں / دکھاتی ہوئی چال ہر ہر کے تئیں
تف سوز دل کا عیاں منہ سے حال / اڑاتی چلی اپنی آہوں سے رال[6]
اس آئینہ رو کا کروں کیا بیاں / صفا راکھ سے اور چمکی وہاں
کرے حسن کو کس طرح کوئی ماند / چھپے ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند
چھپانے کو سوانگ[7] اس نے جو جو کیے / غرض حسن نے اور جلوے دیے
وہ موتی کی سیلی وہ تن کی دمک / شب تیرہ میں کہکشان فلک
زری کا وہ حلقہ سر اوپر دھرے / کہ جوں شب میں کوئی بنیٹی[8] کرے

[1] مندرا۔ وہ حلقے جو جوگی کانوں میں پہنتے ہیں ۱۲ [2] سنبلستان سے مراد زلفیں۔ بال ۱۲ [3] شبدیز۔ سیاہ رنگ کا گھوڑا ۱۲ [4] سمرن۔ ہندوانہ تسبیح ۱۲ [5] منکے وہ مہرے جو فقرا گلے میں پہنتے ہیں ۱۲ [6] رال اڑانا۔ آگ کے ذریعہ سے رال کو بارود کی طرح اڑانا ۱۲ [7] سوانگ۔ روپ بھرنا۔ تماشا ۱۲ [8] بنیٹی کرنا۔ بنیٹی پھرانا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ بانس کے دونوں سروں پر دو گیندیں یا مشعلیں باندھ کر اس طرح پھراتے ہیں کہ حلقہ بندھ جاتا ہے ۱۲

زنانے کو بھائی جو اس کی ادا / تو اس رات پر دن کو صدقے کیا
کرے جو کہ تقویم[1] دل سے حساب / کہے سنبلہ میں گیا آفتاب
یہ برق اور یہ ابر حبشیہ ہے اگر / تو داماں عشاق ہوئیں گے تر
زمرد کے مندرے وہ اس آن پر / کہوں کیا کہ جیسے کھلے کان پر
وہ مندرے وہ تن اس کا خاکستری / ہوئی حسن کی اور کھیتی ہری
اڑے سبزہ و گل کے دیکھ اس کو ہوش / وہ دونوں ہوے اس کے حلقہ بگوش
نظر کر صفائی کو اس گوش کی / زمرد کو اس گوش کی لو لگی
بڑھے کیوں نہ ہر دم زمرد کی شان / جب ایسے کسی کے لگے جا کے کان
وہ موتی کی مالا وہ مونگے کا ہار / گل نسترن کی چمن میں بہار
گلابی سے وہ نرگس شوخ رنگ / بھرے جس میں لالا کے لالے کے رنگ
وہ قشقہ کھنچا سرخ ماتھے پہ یوں / پڑے نور پر لعل کا عکس جوں
ادا اس کی دیکھے جو عاشق کبھو / تو رو دیا کرے چشم سے وہ لہو
یہ بین[2] اس کے کاندھے پہ تھی خوشنما / چلے جوں کوئی مست شیشہ اٹھا
دیار محبت میں بہنگی[3] تھی وہ / نہ تھی بین عشرت کی بہنگی تھی وہ
نہ تھی بین تھے تھمے رنگ کے / دیا تھے سبو بھر آہنگ کے
سو وہ بین کاندھے پہ رکھ یوں چلی / کہ لاوے کوئی جیسے گنگا جلی

اسکو

[1] تقویم۔ جنتری ۱۲ [2] بین ایک باجا ۱۲ [3] بہنگی ترازو کی طرح کی ایک چیز بنا کر کندھے پر رکھتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے بوجھ ڈھوتے ہیں شکل بین بھی قریب قریب ایسی ہی ہوتی ہے ۱۲

ہر اک تار تھا بین کا رود نیل[1]
وہ تھی ہند کے راگ کی سلسبیل

نہ عاشق ہوئے اُس کے عالم پہ لوگ
دوانہ ہوا جوگ دیکھ اُس کا جوگ[2]

بنی جبکہ جوگن وہ اس رنگ سے
لگے پھوڑنے دست سر سنگ سے

وہ رخصت جو اس طرح ہونے لگی
تو وہ صاحب خانہ رونے لگی

وہ رد رو کے دو ابر غم یوں ملے
کہ جس طرح ساون سے بھادوں ملے[3]

یہاں تک بندھا اس کے رونے کا تار
بہے پھوٹ دیوار و در ایک بار

کھڑے تھے وہ جوگن کے جو گرد گل
وہ رو رو ہوئے شبنم آلودہ گل

نہ دیکھا کسی نے جو کچھ اختیار
کہا حق کو سونپا تجھے لے سدھار

چلی جس طرح پیٹھ اپنی دکھا
اُسی طرح دکھلا ہمیں منہ پھر آ[4]

کسی نے کہا بھولیو مت مجھے
خدا کے تئیں[5] میں نے سونپا تجھے

کہا اُس نے خیر اب تو جاتی ہوں میں
جو ملتا ہے تو اُس کو لاتی ہوں میں

تمھیں بھی خدا کو میں سونپا شُنا
مرا بخشیو تم کہا[6] اور سُنا

جدا ہو کے القصہ رو توں کو چھوڑ
چلی اپنے گھر بار سے منہ کو موڑ

نہ سُدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی
نکل شہر سے راہ جنگل کی لی

لیے بین پھرتی تھی صحرا نورد
تن چاک چاک اور رُخ گرد گرد

[1] رود نیل۔ ایک دریا کا نام جو مصر میں واقع ہے ۱۲ [2] جوگ۔ درویشی۔ سنیاس ۱۲
[3] ساون بھادوں ملنا۔ ساون کا مہینہ ختم ہو کر بھادوں کا شروع ہونا ۱۲۔ آسی۔
[4] جانے والے سے کہتے ہیں کہ جیسے پیٹھ دکھاتے ہو اسی طرح منہ دکھانا ۱۲ آسی۔
[5] خدا کے تئیں اب متروک ہے ۱۲ [6] کہا سنا بخشنا۔ یعنی خطا معاف کرنا ۱۲

کہ شاید کوئی شخص ایسا ملے
کہ جس سے وہ شیدا کا شیدا ملے

جہاں بیٹھ کر وہ بجاتی تھی بین
تو سننے کو آتے تھے آہوے چین

بجاتی وہ جوگن جہاں جوگیا[1]
تو واں بیٹھتی خلق دھونی رما

اُسے سُن کے آتا تھا صحرا کو جوش
صدا سے درختوں کو آتا خروش

گل نغمہ جو اُس سے گرتے ہزار
تو لیتا اُسے دشت دامن پسار

کہیں حلقہ حلقہ کہیں لخت لخت
کھڑے ہو کے گرد اُس کے سنتے درخت

بجاتی تھی جوں جوں وہ بن بن کے بین
خس و خار سنتے تھے تن تن کے بین

نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی
ہر اک عالم شوق میں تھی کھڑی

تماشا نہ دیکھا تھا جو یہ کبھی
دَد[2] و دشت غش میں پڑے تھے سبھی

یہاں تک کہ رہ میں جو تھے نقش پا
وہ بیٹھے تھے کان اپنے اُدھر لگا

گل نغمہ ترکی یہ تھی بہار
کہ صحرا کے گل اُس کے آگے تھے خار

سُن آواز کی اُس کی شان و شکوہ
نکلنے لگی دب کے آواز کوہ

نہ پانی ہی سُن شور اُس کا چلے
کنوئیں کے بھی دل میں اُٹھے ولولے

نہ چشمے ہی کچھ آبدیدہ رہے
گریباں کر چاک دریا بہے

ہوا بلبل و گل کا یاں تک ہجوم
کہ گرتی تھیں واں ڈالیاں جھوم جھوم

تحیر کا تھا واں ہر اک کو مقام
زباں کا نکلتا تھا ہاتھوں سے کام

چمن کرتی پھرتی تھی جنگل کے تئیں
بساتی تھی جنگل میں دنگل کے تئیں

یہ ہر جا یہ تھا اُس کے دم سے طلسم
بندھا تھا اُسی دم قدم سے طلسم

[1] جوگیا ایک راگنی کا نام ۱۲۔ آسی [2] دَد۔ درندے جانور ۱۲۔ آسی

شب و روز سرگشتہ مثل صبا
اسی طرح پھرتی تھی وہ جا بجا

داستان فیروز شاہ جنوں کے بادشاہ کے بیٹے کا عاشق ہونا جوگن پر

کدھر ہے تو اے ساقی گلعذار
کہ صحرا سے اب دل ہوا خار خار

کوئی پھول سی دے شتابی شراب
کہ شہر مطالب کو پہونچوں شتاب

وہ دارو پلا دل کو جو راس ہو
کہ جینے کی بیمار کے آس ہو

مسبب کے اسباب دیکھو ذرا
کہ قدرت میں اس کی ہے کیا کیا بھرا

سفید و سیہ اُس کے ہے اختیار
بنایا ہے اُس نے یہ لیل و نہار

جہاں میں ہے اندوہ و عشرت بہم
کہیں صبح عیش و کہیں شام غم

دو رنگی زمانے کی مشہور ہے
کبھی سایہ ہے اور کبھی نور ہے

قضارا سہانا سا اک وقت تھا
کہ اک شب ہوا اس کا داں بسترا

وہ تھی اتفاقاً شب چاردہ
ادا سے وہ بیٹھی وہاں رشک مہ

بچھی ہر طرف چادر نور تھی
یہی چاندنی اس کو منظور تھی

بچھا مرگ چھالے[1] کو اور لیکے بین
دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبین

کدارا[2] بجانے لگی غرق میں
لگی دست و پا مارنے ذوق میں

کدارا یہ بجنے لگا اس کے ساتھ
کہ مہ نے کیا دائرہ لیکے ہاتھ

[1] مرگ چھالا۔ ہرن کی کھال جسے اکثر جوگی وغیرہ بچھاتے ہیں ۱۲ [2] کِدارا۔ ایک راگ کا نام ۱۲

بندھا اس طرح کا جو اس جا سماں
صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں

وہ سنسان جنگل وہ نور قمر
وہ براق سا ہر طرف دشت و در

وہ اُجلا سا میداں چمکتی سی ریت
اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت

درختوں کے پتے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے جھمکتے ہوئے

درختوں کے سایے سے مہ کا ظہور
گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور

دیا یہ کہ جوگن کا منھ دیکھ کر
ہوا نور سایہ کا ٹکڑے جگر

گیا ہاتھ سے بین سن کر جو دل
گئے سایہ و نور آپس میں مل

وہ صورت خوش آئی جو اُس نور کی
دل اپنے پہ سایہ نے منظور کی

ہوا بندھ گئی[1] اس گھڑی اس اصول
بسیرا گئے جانور اپنا بھول

درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا
لگی وجد میں بولنے واہ وا

کدارے کا عالم تھا یہ اُس گھڑی
کہ تھی چاندنی ہر طرف غش پڑی

یہاں تو یہ عالم تھا اور طور یہ
تس اوپر مزا تم سنو اور یہ

کہ تھا اک پریزاد فرخ سیر
جنوں کے تھا وہ بادشہ کا پسر

نہایت طرحدار صاحب جمال
برس بیس اکیس کا سن و سال

ہوا پر اُڑائے ہوئے اپنا تخت
کسی طرف جاتا تھا فیروز بخت

وہ جاتا تھا کرتا ہوا سیر ماہ
اُسے خلق کہتی تھی فیروز شاہ

یکایک سنی بین کی جو صدا
وہاں تخت لا اُس نے اپنا رکھا

جو دیکھے تو جوگن ہے اک رشک حور
کہ چشم فلک نے نہ دیکھا یہ نور

[1] ہوا بندھنا۔ سماں بندھنا ۱۲ آسی